ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.4 (2024)
(October to December)

اودھ پنچ سے مزاحیہ شاعری کا آغاز: تحقیق و تجزیہ

The Origins of Humorous Poetry in Awadh Panch: A Research & Analysis

صفدر حسین
فیکلٹی ممبر، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، ڈیرہ غازی خان

Safdar Hussain
Faculty member, Govt. Graduate College, D.G Khan

Abstract:
One of the central themes of *Awadh Punch* was its opposition to Sir Syed Ahmad Khan and his reformist ideology. Sir Syed faced multiple criticisms throughout his life. He was at times labeled a "Naturei" (a reference to his rationalist and modernist tendencies), an agent of the British, and even accused of heresy (*kufr*) by some orthodox religious circles. After the Indian Rebellion of 1857, Sir Syed shifted his focus toward improving the political, educational, and economic conditions of Muslims in British India. In this pursuit, he saw it prudent to establish cordial relations with the British, which he considered essential for the progress of Indian Muslims. One of his major initiatives was the founding of the journal "Tehzeeb-ul-Akhlaq", which published religious, literary, intellectual, and reformist content. To support these reform efforts, Sir Syed sought public donations and launched educational initiatives, which eventually crystallized into what is known as the Aligarh Movement. From its inception, Awadh Punch writers were vocal critics of Sir Syed and his movement.

Keywords: *Awadh Punch*, multiple criticisms, religious circles, Tehzeeb-ul-Akhlaq, Aligarh Movement, ideological positions**,** Muslim values

۷۔ جنوری ۱۸۷۷ء کو لکھنؤ سے جس تاریخی طنزیہ و مزاحیہ رسالے کا اجرا ہوا وہ ''اودھ پنچ'' کے نام سے مقبول ہوا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر منشی سجاد حسین تھے۔ اودھ پنچ نے اردو ادب میں طنز و مزاح کی راہوں کو وسعت دی اور پرانی روشوں کے ساتھ ایک الگ راستے پر چلنے کی ابتدا کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستانی معاشرے کی اقدار کی زبوں حالی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں انگریزوں کی نقالی سے تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ اس دور میں انگریزوں کے ساتھ مصالحت کی تحریکیں چلنے لگیں۔ مرد و زن کے انداز گفتگو، وضع قطع اور لباس میں جدّت آنے لگی۔ زبان میں انگریزی الفاظ کا استعمال عام ہو گیا اور ادب میں کئی مغربی اصناف کا ظہور ہوا۔ ایسے وقت میں اودھ پنچ نے طنز و مزاح کے ذریعے ہندوستانیوں کی ہر بے ڈھنگی چال پر تیر چلائے اور انگریزوں کی حمایت میں بولنے والوں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ یہ پرچہ اجنبی حکومت کے خلاف تو تھا ہی لیکن ان لوگوں پر بھی طنزیہ حملے کرتا، جو ہندوستانی ہو کر

انگریزی لبادہ اوڑھنے کی حمایت کرتے تھے۔ اس نے قومی معاملات اور عوامی مسائل کو بھی نظر انداز نہ کیا اور بڑھ چڑھ کر مشرقی تہذیب کے حق میں نعرے لگائے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

> ''اس دور میں معاشرے کی پر سکون سطح کے نیچے سیاسی اور سماجی بیداری کا جو کوہِ آتشیں سلگ رہا تھا وہ اس صدی کے نصف آخر میں دو بڑے ہنگاموں کی صورت میں نمودار ہوا۔ ان میں سے ایک ہنگامہ تو ۱۸۵۷ء کے غدر کے نام سے مشہور ہوا اور یہ ایک مٹتی ہوئی سلطنت کی آخری کروٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرا ہنگامہ آزادی کی وہ پُر امن جدوجہد ہے جو ایک نمایاں سیاسی اور سماجی بیداری کی پیداوار تھی اور جس کا سب سے بڑا مظہر وہ اخبار تھا جس نے ''اودھ پنچ'' کے نام سے نہ صرف اجنبی حکومت اور اجنبی تہذیب کو ہدفِ طنز بنانے کی سعی کا آغاز کیا بلکہ جس نے عام سوشل اور ملکی معاملات کے بارے میں بڑے بے باکانہ انداز میں الفاظ کا جامہ پہنایا۔''(۱)

''اودھ پنچ'' صرف ایک اخبار نہ تھا بلکہ یہ اپنے مقاصد سے لگن کی وجہ سے ایک منظم تحریک کی صورت میں سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب انگریز سرکار کے خلاف زبان کھولنے کی پاداش میں کالے پانیوں کی نذر کر دیا جاتا تھا اور مختلف قسم کی انسانیت سوز سزائیں مقدر ہو جایا کرتی تھیں۔ اودھ پنچ نے ان سازشوں کے خلاف لوگوں کو جو زبان دی اس کا لب ولہجہ مزاحیہ تھا لیکن طنز کے نشتر اس میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ یہ اخبار عوام کو خبریں پہنچانے کا ذریعہ تھا اور ان کے جذبات کا پُر خلوص ترجمان بھی۔ اودھ پنچ نے اپنا رشتہ قدیم مشرقی تہذیب سے جوڑ رکھا تھا اور اس کے طنز کرنے والے اسی روایت کے پاسبان تھے۔ اودھ پنچ کی ایک اور خدمت یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد میں ہر طرف چھائی ہوئی سنجیدگی اور مایوسی کو توڑ کر ہنسی مذاق اور امید ورجا کی روشنی سے مالا مال کیا۔ اس کی سعیٔ جاندار سے بجھے ہوئے چہروں پر رونق عود کر آئی اور زندگی کے تمام معاملات میں دلچسپی و دلجمعی کا عنصر غالب آنے لگا۔ اودھ پنچ کی رہنمائی نے مغربی تہذیب کی منہ زور لہروں کے رُخ پر مضبوطی سے بند باندھے رکھا اور انگریزوں کی اندھی تقلید کرنے والوں کو طنز کے تیز دھار بھالوں سے چھلنی کر ڈالا۔

اودھ پنچ ۳۵ سال تک منشی سجاد حسین کی ادارت میں اپنی سحر بیانی اور طنز و ظرافت کے جوہر دکھاتا رہا۔ اس عرصے میں سجاد حسین کی صحت برقرار نہ رہی اور ان پر فالج کے دو حملے ہوئے۔ پہلا حملہ ۱۹۰۱ء میں ہوا جس سے جانبر ہو گئے لیکن صرف تین سال بعد ۱۹۰۴ء میں دوسرا شدید حملہ ہوا جس نے آخر کار ان سے قوتِ گویائی بھی چھین لی۔ اودھ پنچ میں لکھنے والے کئی ادیب و شعرا نے پہلے ہی لکھنا چھوڑ دیا تھا اور جو باقی تھے ان کے قلم میں پہلی سی کاٹ اور ولولہ نہ رہا تھا۔ اس طرح ۱۹۱۲ء میں منشی سجاد حسین کی زندگی ہی میں اودھ پنچ

کی اشاعت رُک گئی اور اس اخبار کا پہلا دور بھی یہیں ختم ہوتا ہے۔ اودھ پنچ کا دوسرا دور ۱۹۱۶ء سے شروع ہوتا ہے جب اس کا نظم و نسق حکیم ممتاز حسین عثمانی نے سنبھالا۔ ان کی کوششوں سے یہ اخبار چل نکلا لیکن اس میں پہلی سی شادابی نہ آسکی اور اس کو اس طرح کے لکھنے والے بھی نصیب نہ ہو سکے جن کے جاندار تخئیل کے سوتے اس کو ہرا بھرا رکھے ہوئے تھے۔ ۱۷ سال تک حکیم موصوف نے اس کو سہارا دیے رکھا لیکن ۱۹۳۳ء میں وہ بھی انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ظہیر حیدر نے اس کی ادارت اپنے ہاتھ میں لی اور اودھ پنچ کو پہلے جیسا شوخ بنانے کی کوشش کرتے رہے مگر ان کی تمام کوششیں اس وقت دم توڑ گئیں جب وہ بھی دنیائے فانی کو خیر باد کہہ گئے۔ اس طرح ۱۹۳۴ء میں اودھ پنچ نے ہمیشہ کے لیے دنیائے طنز و مزاح سے ناتا توڑ لیا۔

اودھ پنچ کے اہم طنز و مزاح نگار شعرا میں اکبر الٰہ آبادی، تربھون ناتھ ہجر، عبدالغفور شہباز، احمد علی شوق، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، ظریف لکھنوی، فضل ستّار لا اُبالی وغیرہ شامل ہیں۔ ان شعرا نے اپنے عہد کے جن موضوعات پر سب سے زیادہ طنز کے تیر برسائے، ان کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔ اودھ پنچ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہر طرح کا رجحان رکھنے والوں کی دلچسپی کا سامان موجود ہوتا تھا۔ اس کے موضوعات معاصر رسائل و جرائد کے مقابلے میں متنوع تھے اور ان میں تبصرے کا طریقہ کار اختیار کیا جاتا تھا جس کے ذریعے قارئین کے افکار و اذہان کی پرورش اور اپنے نظریات کی حمایت مقصود تھی۔ اس کی نثر اور شاعری دونوں کا رنگ یکساں تھا اور اس کے تیز و طرار ظرافت نگار زندگی کے ہر زاویے سے مزاح کشید کر لیتے تھے۔ اس کے مزاح نگاروں کے طرزِ مزاح پر ڈاکٹر ظفر عالم ظفری تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اودھ پنچ کے ہنسوڑ قلمکاروں کا کمالِ قلمکاری یہ ہے کہ وہ ہر موضوع میں کہیں نہ کہیں مزاح یا تمسخر کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ کبھی وہ صرف تجزیے تک محدود رہتے ہیں کہیں ایک قدم آگے رکھا تو ظرافت کی محفلیں قائم کر دیں۔ تھوڑا شوخ ہوئے پھبتی کس دی، ناراض ہوئے تو طنز میں شدت آگئی اور اگر اختلافات میں شدت آئی تو گالی گلوچ، بدزبانی، پگڑی اچھالنا، ذلیل ورسوا کرنا بھی ان سے بعید نہ تھا۔ جو ان کے حملوں کا شکار ہوا منہ بسورتا ہی رہ گیا۔ "اودھ پنچ" کا طنز، مزاح اور ظرافت بعض اوقات شدت کی وجہ سے معیار سے گر جاتی ہے لیکن جہاں کہیں ان کا لب و لہجہ تہذیب کے دائرے میں رہا۔ قلم نے زہر افشانی نہیں کی وہاں ان کی ظرافت فن کی بلندیوں کو چھو لیتی ہے۔" (۲)

اودھ پنچ کے اہم موضوعات میں سب سے پہلے سر سیّد اور ان کی تحریک آتے ہیں۔ سر سیّد کی شخصیت پر کئی اعتراضات کیے جاتے رہے۔ کبھی انھیں نیچری کہا گیا، کبھی انگریزوں کا پٹھو اور کئی لوگوں نے ان پر کفر کے فتوے تک لگا دیے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سر سید نیمسلمانوں کے سیاسی، تعلیمی اور معاشی حالات کی بہتری کی جانب اپنی توجہ مبذول کی تو انھیں انگریزوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں عافیت نظر آئی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سر سید نے کئی اقدامات کیے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ان کا رسالہ "تہذیب الاخلاق" تھا جس میں مذہبی، ادبی، علمی اور اصلاحی نوعیت کے مضامین ہوتے تھے۔ انھوں نے لوگوں سے چندے مانگ کر اصلاحی کاموں کا آغاز کیا جن میں ان کی تعلیمی کاوشیں سب سے نمایاں ہیں اور یہ سارا کام تحریک علی گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔ اودھ پنچ کے قلمکار سر سیّد اور ان کی تحریک کے شروع دن سے سخت مخالف تھے۔ سر سیّد کے نظریات ان کو چین نہ لینے دیتے اور اس کے مخالف

تحاریر، نثر و نظم کی صورت میں بڑھ چڑھ کر سامنے آتی تھیں۔ ایسی تحریروں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید اور ان کی تحریک کے خلاف پرچار کرنا اودھ پنچ کا مشن تھا۔ سرسیّد کے ساتھی بھی اس مخالفت کا خوب نشانہ بنتے اور ان پر انتہائی رکیک حملے کیے جاتے جو کسی بھی لحاظ سے تہذیب کے دائرے میں نہیں آتے بلکہ یہ توہین کا ایک انداز تھا۔ اودھ پنچ کے اہم طناز شاعر اکبر الہٰ آبادی، سرسیّد پر تلخ و ترش ظریفانہ حملے کرنے والوں کے گروہ میں پیش پیش رہے۔

طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا ذکر کیا جائے تو اکبر کا نام بے اختیار ذہن میں گونجنے لگتا ہے۔ اکبر نے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو تہذیب کا جامہ پہنا کر اس کو خاص و عام کے لیے قابلِ قبول بنایا اور اس طرح جدید طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے معمار کہلائے۔ اکبر نے پہلی مرتبہ حالاتِ حاضرہ اور انسانی تہذیب و تمدن کے بے کراں موضوعات کو اپنی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے ذریعے زبان بخشی۔ ان کی تقلید میں طنز و مزاح کا ایک پورا دبستان وجود میں آگیا اور عہد حاضر تک آتے آتے طنزیہ و مزاحیہ شعرا اس فن میں اپنی شناخت قائم رکھنا قابلِ فخر سمجھتے ہیں۔ اودھ پنچ کے اجرا کے ساتھ ہی اکبر کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس سے پہلے اکبر کی شاعری طنز و مزاح سے خالی تھی۔ اس کی وجہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اپنے مقالے میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اکبر نے بہت چھوٹی عمر ہی سے سرکاری ملازمتیں شروع کر دی تھیں۔ "اودھ پنچ" کے اجرا کے تین برس بعد یعنی ۱۸۷۷ء میں ان کی جوڈیشل سروس شروع ہو گئی تھی، اس لیے وہ انگریزوں کے خلاف براہِ راست کچھ کہنے کے قابل نہ تھے۔ چنانچہ "اودھ پنچ" کے اجرا سے اکبر کو خیال ہوا کہ "سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" کے انداز میں لوگوں تک مخالفانہ خیالات بھی پہنچائے جا سکتے ہیں اور گرفت سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس زمانے میں مزاحیہ شاعری کی طرف مائل ہوئے ورنہ ۱۸۷۷ء سے قبل ان کی شاعری طنز و مزاح سے دور تھی۔"(۳)

اکبر صرف ایک شخص کا نام نہیں بلکہ یہ ایک تحریک تھی جس نے معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کے ناسوروں کو دریافت کر کے ان میں سے فاسد مواد کو نکال باہر کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے راستے کا انتخاب کیا اور ایک واضح مقصد کو سامنے رکھ کر اہلِ ہند کی رہنمائی کا بیڑا اُٹھایا۔ یہ الگ بحث ہے کہ وہ اپنی ظریفانہ شاعری کے ذریعے اصلاح کا مقصد حاصل کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ اکبر نے اس راہ کا انتخاب کر کے اپنے آپ کو اردو ادب کی تاریخ میں اس لحاظ سے امر کر لیا کہ ان سے پہلے اس راہ پر چلنا کچھ زیادہ باعث تکریم و شہرت نہ تھا اور ابتذال و بے باکی نے اسے خاصا عجیب بنا رکھا تھا۔

ظریف لکھنوی

ظریف لکھنوی کا تعلق سیّد گھرانے سے تھا۔ نام مقبول حسین جب کہ ظریف ان کا تخلص تھا اور لکھنؤ سے تعلق کی وجہ سے لکھنوی بھی نام کا حصہ بن گیا۔ اس طرح پورا نام سیّد مقبول حسین ظریف لکھنوی ٹھہرا۔ ادبی دنیا میں ظریف لکھنوی کے نام سے شہرت پائی اور طنز و مزاح میں اپنے وقت کے استاد کہلائے۔ ظریف کی ولادت ۲۴ فروری ۱۸۷۰ء (۲۲ ذیقعد ۱۲۸۶ھ) بروز پنج شنبہ کو "مولوی گنج"، لکھنؤ میں ہوئی۔ ظریف کو اپنے زمانے کے رسوم و رواج کے مطابق تعلیم دی گئی۔ عربی، فارسی اور سنسکرت میں دست گاہ حاصل کی

اور انگریزی زبان کی سوجھ بوجھ بھی رکھتے تھے۔ گرد و پیش کے شاعرانہ ماحول اور خیال کی شاداب کونپلوں کی وجہ سے جلد ہی شاعری میں قافیہ پیمائی کا آغاز کر دیا۔ انیس(۱۹) سال کی عمر میں ان کی شاعری کا باقاعدہ آغاز ۱۸۸۹ء میں لکھنؤ کے ایک مشاعرے سے ہوا، جہاں پہلی مرتبہ ظریف نے مزاحیہ غزل پڑھی۔ یہ اکبر کے عروج کا زمانہ تھا اور ان کے فن کا طوطی چہار اطراف بول رہا تھا۔ اکبر عوامی مشاعروں کے شاعر تھے اور نہ ہی ایسی جگہوں پر وہ اپنا کلام سناتے تھے۔ اس کا فائدہ ظریف کو ہوا اور انھیں عوام و خواص میں شہرت اور ناموری حاصل ہو گئی۔ ظریف کی خوش مزاجی اور بذلہ سنجی نے ابتدا میں ان کو خالص مزاحیہ شاعر کے روپ میں سامنے لایا۔ ان کی شاعری کا اوّلین مقصد بھی مشاعرے کے سامعین کی تفریح طبع تھا لیکن یہ رنگ آہستہ آہستہ اصلاح کی جانب مائل ہونے لگا اور اکبر کی وفات (ستمبر ۱۹۲۱ء) کے بعد تو یہ اصلاحی رنگ غالب آ گیا۔ اسی لیے اکبر کے بعد کے زمانے کو ظریف کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ظریف "اودھ پنچ" کے دوسرے دور کے اہم شاعر ہیں۔ ان کی مزاحیہ شاعری کی مقبولیت میں "اودھ پنچ" کا بہت بڑا کردار ہے۔ اس کے ذریعے جہانِ شاعری میں ظریف کے فن کا خوب چرچا ہوا۔ بقول حسین رضوی:

> "وہ (ظریف) "اودھ پنچ" کی سربلندی کے سہارے پروان چڑھے لیکن اس کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ ظریف کی شاعری اوّل دن سے اتنی معیاری تھی کہ "اودھ پنچ" کا دامن اس کے لیے کشادہ ہو گیا اور اس کے بعد تو یہ عالم ہوا کہ بنگال سے سندھ تک اور ہمالہ سے راس کماری تک، جہاں بھی شعر و سخن کے سودائی جمع ہوتے، ظریف کو دعوتِ سخن سرائی دی جاتی اور اکبر کے بعد طنز و مزاح ایک نئے قالب میں نظر آتا۔"(۴)

سیّد مقبول حسین ظریف کی شاعری کے دو اہم حصے ہیں۔ پہلا حصہ ان کی خالص مزاحیہ شاعری پر محیط ہے جس میں ظرافت و تفنن طبع کے ساتھ مختلف شعری حربوں سے مزاح کا رنگ پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرز کی شاعری میں اصلاحی پہلو مفقود ہے اور صرف مزاح کا چشمہ رواں دواں ملتا ہے۔ ایسی ہی مزاحیہ شاعری کی بدولت ظریف کو خالص مزاح گو شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کی خالص مزاحیہ شاعری سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

پہناتے وقت کرتہ قیس کو یہ تھی دعا ماں کی
الٰہی خیر کرنا میرے بچے کے گریباں کی

علامہ اقبالؒ کی طنز اور ظرافت میں سطحیت نہیں ہے۔ اس میں موجود گہری فکر قاری کو دیر تک اپنے سحر میں گرفتار رکھتی ہے اور وہ اپنے گرد و پیش نگاہ دوڑانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ان کی طنز کا پہلا نشانہ تہذیبِ مغرب ہے۔ اس عہد میں ہندوستان کے عام لوگوں کو معاشی تباہ حالی کا سامنا تھا۔ تعلیمی ترجیحات اچانک بدل گئیں اور لوگوں کو انگریزی کی جانب مائل کیا جانے لگا۔ لڑکیوں کی تعلیم پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا اور انھیں مردوں کے ساتھ نشست و برخاست کے طریقے سکھانے کے لیے ترغیبات دی گئیں۔ مغربی

معاشرت کی جھلکیاں گلی محلوں میں دکھائی دینے لگیں اور مقامی تہذیب و تمدن دقیانوسی کی علامت ٹھہرا۔ نئے طرزِ حکومت میں عوام کو حصہ دینے کے لیے کونسلیں بنائی گئیں جن میں اُلجھ کر لوگوں کی نگاہیں اصل مسائل سے ہٹ گئیں۔ الیکشن، ووٹ اور ممبری کے چکر نے آزادی کی سوچیں گم کر دیں:

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
نائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے
ہندوستاں میں جزوِ حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے ہمارے سیاسی کمال کا
ہم تو فقیر تھے ہی، ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سلیقہ اب امرا بھی "سوال" کا

سنا میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل حال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اقبالؒ کی طنز اور ظرافت کا دوسرا بڑا موضوع ان کی اپنی قوم ہے۔ اس وقت دو طبقے اُبھر کر سامنے آ چکے تھے۔ ایک تو وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنے آپ کو وقت کے ساتھ ڈھال لینے میں عافیت سمجھی اور انگریزی لبادہ اوڑھ لیا۔ دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے اپنے پرانے نظامِ زندگی کو برقرار رکھا اور اسی کو اپنے لیے فخر کا باعث جانا۔ ان دونوں طبقات نے ایک دوسرے کی ضد میں اُن علوم کو بھی چھوڑ دیا جس سے ان کی زندگی میں انقلاب آ سکتا تھا۔ دونوں کے لباس، کھانے پینے کے طریقے، بات چیت کا انداز اور تعلیمی ادارے تک جدا جدا تھے۔ ایک گروہ ہر بات میں انگریزوں کی نقل کرتا اور دوسرا کھل کر اس کی مخالفت پر کمر کس لیتا۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی طنزیہ و ظریفانہ شاعری میں مختلف حوالوں سے دونوں طبقات پر طبع آزمائی کی ہے۔ جہاں اوّل الذکر طبقے کی نام نہاد روشن خیالی پر ضربیں لگائیں وہاں طبقۂ دوم کی دقیانوسیت کو بھی نشانہ بنایا۔ جب کوئی طاقت کسی ملک پر قابض ہوتی ہے تو اس کا پہلا نشانہ آنے والی نسلوں کے ذہن و فکر کو اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالنا ہوتا ہے اور یہ کام تعلیمی اداروں کے سپرد کیا جاتا ہے۔ مغربی تعلیم نے معاشرے سے پرانی قدروں کو ختم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ جدید تعلیم نے ہندوستانی باشندوں کے اذہان یک لخت بدل

ڈالے جن کی وجہ سے بقول اکبر لڑکے، باپ کو خبطی سمجھنے لگے۔ لڑکیاں انگریزی تعلیم کے حصول کے بعد پردے کی پابندی سے آزاد ہو کر چہار اطراف حسن کے جلوے دکھانے لگیں اور بے حیائی کو فروغ ملا۔ اقبالؒ نے اس کا منظر کا خاکہ کچھ یوں اُڑایا:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدّ نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

مغربی تعلیم سے بہرہ مند ہونے کے بعد جب خواتین سرِ بازار آ گئیں تو جدید خیالات کے حامی طلبا میں بھی نسوانیت نے رنگ دکھانے شروع کر دیے۔ لڑکوں کی میک اپ سے سنوری صورتیں دیکھ کر اُن کی پہچان مشکل ہو گئی کہ یہ مرد ہیں یا زن۔ عبادت گاہیں ویران ہونے لگیں اور دین کا درس دینے والے بے کار بیٹھ رہے۔ اس روش پر علامہ کہتے ہیں:

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی
نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بد ظن ہو
گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف
صاف
"پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو
گئے"

مشرقی اقدار کے بدل جانے اور مغربی تہذیب کی فعالیت سے اساتذہ اور طلبہ کے درمیان احترام اور تقدس کا سلسلہ بھی دم توڑنے لگا۔ جس معاشرے میں استاد کی خدمت فرض کا درجہ رکھتی تھی وہاں جو منظر بدلا تو علامہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ؟
دفعِ مرض کے واسطے پِل پیش کیجیے!
تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض
دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجیے!
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق کہتا ہے ماسٹر سے کہ

"بل　　پیش　　کیجیے"　　!

علامہ کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں ملاّ، شیخ اور واعظ خاص طور پر مطعون ٹھہرتا ہے۔ اس کردار کو پرانے خیالات کا حامی اور مشرقی تہذیب کا سب سے بڑا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں مولویوں کی بھی دو اقسام تھیں۔ ایک جدیدیت کے حامی تھے اور دوسرے اس کے خلاف۔ جدیدیت کے حامی اپنے فائدے کی چیزوں اور قوانین کو حلال قرار دیتے اور اسلام میں جو حلال ہیں، انگریزوں کی خوشنودی کے لیے اُن کی مخالفت سے بھی دریغ نہ کرتے۔ اس مضحکہ خیز دو عملی پر اقبالؒ اس طرح طنز کرتے ہیں:

کچھ غم نہیں جو حضرتِ واعظ ہیں تنگ دست
تہذیبِ نو کے سامنے سر اپنا خم کریں
ردّ جہاد میں تو بہت کچھ لکھا گیا
تردیدِ حج میں کوئی رسالہ رقم کریں

طنزیہ و مزاحیہ اُردو شاعری کی تاریخ میں واعظ اور مے نوش کے درمیان پائی جانے والی چپقلش کی روایت بہت پرانی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ان دونوں فریقوں کے درمیان بحث کا ایک مؤثر انداز اختیار کیا ہے۔ اس بحث کے آخر میں علامہ خود بھی شریک ہو جاتے ہیں جس سے کلام میں طنز کے ساتھ ظرافت کا پہلو زوردار ہو جاتا ہے:

فرما رہے تھے شیخ طریقِ عمل پہ وعظ
کفّار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوش
مشرک ہیں وہ جو رکھتے ہیں مشرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محرومِ عقل و ہوش
ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
سن لے اگر گوشِ مسلماں کا حق نیوش!
اک بادہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک
جس کے لیے نصیحتِ واعظ تھی بارِ گوش!
کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
پابند ہو تجارتِ سامانِ خورد و نوش
میں نے کہا کہ "آپ کو مشکل نہیں کوئی
ہندوستاں میں ہیں کلمہ گو بھی مے فروش" !

علامہ اقبالؒ نے مزاح کو مستقل طور پر اختیار نہیں کیا بلکہ اکبر الٰہ آبادی سے متاثر ہو کر اس میدان میں قدم رکھا۔ دونوں میں فنی مماثلتیں تو کم ہیں لیکن فکر و نظر کی وحدت اور مقاصد کا اشتراک انھیں قریب کر دیتا ہے۔ اقبال نے جلد ہی ظرافت کی راہ کو خیر باد کہہ

دیا لیکن ان کے کلام میں طنز کی کیفیت رچ بس گئی۔ کلامِ اقبال کا طنزیہ پہلو آج بھی جاندار ہے اور اقوامِ عالم اپنے اپنے انداز میں اس سے مستفید ہو رہی ہیں۔

اختصار کے پیشِ نظر آخر میں کلیاتِ اقبال میں شائع شدہ ظریفانہ کلام سے چند گوہر پارے نظرِ قارئین ہیں:

تعلیمِ مغربی ہے بہت جرأت آفریں
پہلا سبق ہے، بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ
بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط
آغا بھی لے کے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ
میرا یہ حال،بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں
ان کا یہ حکم،دیکھ!مرے فرش پر نہ رینگ
کہنے لگے کہ اونٹ ہے بھدّا سا جانور
اچھی ہے گائے، رکھتی ہے کیا نوک دار سینگ

مشرق میں اصولِ دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلّے
واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

یہ کوئی دن کی بات ہے، اے مردِ ہوش مند!
غیرت نہ تجھ میں ہو گی، نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور، کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں، رومال، مفلر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئیں گے غسّال کابل سے، کفن جاپان سے

"اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے"
غالبؔ کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا؟

کیوں اے جنابِ شیخ سنا آپ نے بھی کچھ
کہتے تھے کعبہ والوں سے کل اہلِ دیر کیا؟
ہم پوچھتے ہیں مسلمِ عاشق مزاج سے
الفت بتوں سے ہے تو برہمن سے بیر کیا؟
ہاتھوں سے اپنے دامنِ دنیا نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی
قانونِ وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
پوچھو تو وقف کے لیے ہے جائداد بھی؟

جوش ملیح آبادی

جوش نے مزاح کو باقاعدگی سے نہیں اپنایا اس لیے ان کی شاعری میں ظرافت کی جو کرنیں روشنی پیدا کرتی ہیں ان کی مقدار بہت زیادہ نہیں ہے۔ انھوں نے روایتی مضامین پر طنز و مزاح کی بنیادیں استوار کی ہیں اور چند دیگر مسائل کو بھی ظرافت کے پردے میں آشکار کیا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ (جوش) روایتی انداز سے ملا اور زاہد پر طنز کرتے ہیں اور ایک خالص انقلابی کی طرح مہاجن کی حرص و ہوا کا بھی مذاق اُڑاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ انسان کی عالمگیر ناہمواریوں سے بھی بے نیاز نہیں رہتے۔ چنانچہ اپنی نظموں، غزلوں اور خاص طور پر اپنی رُباعیوں میں انھوں نے انتہائی دلچسپ طریق سے بہت سے انسانی مسائل پر قلم اُٹھایا ہے۔" (۵)

زاہد پر طنز کا تیور ملاحظہ ہو:

زاہد رہِ معرفت دکھا دے مجھ کو
یہ کس نے کہا ہے کہ سزا دے
مجھ　　کو

کافر ہوں ! ہوئی یہ تو مرض کی
تشخیص
اب اس کا علاج بھی بتا دے مجھ کو

مہاجن جو سو بہانوں سے اپنے گاہکوں کو شکار کرتا ہے اور اصل رقم کے بجائے سود کا زیادہ متمنی رہتا ہے، اُس کا حلیہ جوش نے یوں بیان کیا ہے:

قد کی لمبائی سے اک حد تک کمر جھولی
ہوئی
سر پہ چٹیا مردہ چوہے کی طرح پھولی
ہوئی
کہنیاں تکیئے کے اندر وزن سے
دھنستی ہوئی
چُست صدری دائرہ پر توند کے
پھنستی ہوئی
ہنس کے غوطے آبِ سرد و گرم میں
دیتا ہوا
قرض کے طالب کے دل کا امتحان لیتا
ہوا

جوش کی نظم "رشوت" معاشرے پر طنز کا بھرپور وار ہے۔ اس نظم میں رشوت جیسے ناسور کی تباہ کاریوں اور اس کے عوام و خواص پر اثرات کو بلا تکلف اور کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ "رشوت ستانی" نظم کے چند اشعار پیش ہیں:

لوگ ہم سے روز کہتے ہیں یہ عادت چھوڑیئے
یہ تجارت ہے خلافِ آدمیت، چھوڑیئے
اس سے بد تر لت نہیں ہے کوئی یہ لت چھوڑیئے
روز اخباروں میں چھپتا ہے کہ رشوت چھوڑیئے
کس کو سمجھائیں، اسے کھو دیں تو پھر پائیں گے کیا
ہم اگر رشوت نہیں لیں گے تو پھر کھائیں گے کیا
قید بھی کر دیں تو ہم کو راہ پر لائیں گے کیا
"یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا"
ملک بھر کو قید کر دے کس کے بس کی بات ہے
خیر سے سب ہیں، کوئی دو چار دس کی بات ہے
علت رشوت کو اس دنیا سے رخصت کیجیے

ورنہ رشوت کی دھڑلے سے اجازت دیجئے

جوش نے مزاح کو باقاعدگی سے نہیں اپنایا اس لیے ان کی شاعری میں ظرافت کی جو کرنیں روشنی پیدا کرتی ہیں ان کی مقدار بہت زیادہ نہیں ہے۔ انھوں نے روایتی مضامین پر طنز و مزاح کی بنیادیں استوار کی ہیں اور چند دیگر مسائل کو بھی ظرافت کے پردے میں آشکار کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ عالیہ، لاہور، ص: ۳۱۸، ۳۱۹

۲۔ ظفر عالم ظفری، ڈاکٹر، اردو صحافت میں طنز و مزاح، لاہور ، فیروز سنز لمیٹڈ،، ۱۹۹۴ص: ۵۱، ۵۰

۳۔ خواجہ محمد ذکریا، ڈاکٹر، اکبر الہٰ آبادی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص: ۲۳۰

۴۔ حسین رضوی، انتخاب ظریف، دیباچہ: اکبر ثانی: حیات و شاعری، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۷۷ء، ص: ۷

۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ عالیہ، لاہور، ص: ۱۱۷

References in Roman Script:

1. Dr. Wazir Agha. *Urdu Adab mein Tanz-o-Mazah. Maktaba-e-Aalia, Lahore*, p: 318, 319.
2. Dr. Zafar Alam Zafri. *Urdu Sahafat mein Tanz-o-Mazah. Ferozsons Ltd., Lahore*, 1994, p: 50, 51.
3. Dr. Khawaja Muhammad Zakariya. *Akbar Allahabadi: Tehqeeqi o Tanqeedi Mutalia*, p: 230.
4. Hussain Rizvi. *Intikhab-e-Zareef*, Deebacha: *Akbar Sani: Hayat o Shayari*. Urdu *Academy, Karachi, 1977*, p: 7.
5. Dr. Wazir Agha. *Urdu Adab mein Tanz-o-Mazah. Maktaba-e-Aalia, Lahore*, p:117